لا اکراہ فی الدین ..... القرآن

جسٹس کیکاؤس کی قائم کردہ انجمن خدام اسلام کے سیکرٹری جنرل انور قریشی کے پمفلٹ

پاکستان میں

۲ دو قانون کیوں ؟

کا جواب باصواب

دین اسلام میں جبر کیوں ؟

(از)

استاذ العلماء خطیب جامع مسجد شیعہ میانی، پرنسپل مدرسہ مخزن العلوم الجعفریہ

علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی

ناشر: مکتبہ کاظمیہ شیعہ میانی ملتان

5 طاہر عباس اعوان

بسم الله الرحمن الرحيم

ہر ذی شعور یہ جانتا ہے کہ مملکتِ پاکستان اہلِ اسلام کا وہ ملک ہے جس میں شیعہ اثنا عشریہ اور اہلِ سنت دو باوقار اسلامی فرقے آباد ہیں۔ پاکستان کا وجود بھی اِن دو فرقوں کی مشترکہ جدوجہد سے رونما ہوا۔ اسی لیے پاکستان اِن دونوں اسلامی فرقوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ دونوں فرقوں کے حقوق اس سے وابستہ ہیں۔ اِن میں سے کوئی فرقہ دوسرے فرقے کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتا۔ جس طرح اہلِ تشیع کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اہلِ سنت کو اُن کے حقوق سے محروم کریں۔ اسی طرح اہلِ سنت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اہلِ تشیع کو اُن کے حقوق سے محروم رکھنے کی فکر کریں۔ قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور عقلِ سلیم اور عدل و انصاف بھی اسی کے متقاضی ہیں۔

مگر جب سے ایران میں حکومتِ اسلامی قائم ہوئی ہے۔ اور حکومتِ اسلامی ایران نے امریکی سفارتخانے پر قبضہ کر کے امریکی جاسوسوں کو یرغمال بنایا اس وقت سے امریکہ اور اس کی دیگر پٹھو حکومتیں اس فکر میں مصروف ہو گئی ہیں کہ شیعہ اثنا عشریہ عالمِ دنیا میں جہاں بھی آباد ہیں ان کو جس طریق سے بھی ہو سکے کمزور کیا جائے۔ اُن میں انتشار پھیلایا جائے۔ انہیں دوسری اقوام سے برسرِ پیکار کیا جائے، اسی وجہ سے پاکستان میں بھی ایک آواز اٹھائی جا رہی ہے کہ پاکستان میں نافذ ہونے والا اسلامی قانون فقہ حنفی اور عقیدہ اہلِ سنت کے مطابق تیار ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ خیال نہ صرف شیعہ اثنا عشریہ کے خلاف ہے بلکہ پاکستان کے مفاد کے بھی سراسر منافی ہے۔

پاکستان کی فلاح و بہبود، بقا و استقرار کا راز ہمہ تن اس میں مضمر ہے کہ پاکستان میں بسنے والے عوام باہم اتحاد کے رشتہ میں منظم ہوں۔ اُن میں انتشار و اختلاف کی خلیج پیدا نہ ہو۔ کیونکہ پاکستان کے سر پر دشمن طاقتیں موجود ہیں۔ ایک طرف سے روس افغانستان کی اسلامی سرزمین کو پامال کرنے کے بعد آئے دن پاکستان کے خلاف اشتعال انگیز کارروائیاں کرانے میں مصروف رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی بہانے

سے اسے ہڑپ کرے۔ دوسری طرف سے بھارت آئے دن پاکستان کے خلاف بے بنیاد الزامات عائد کرتا رہتا ہے۔ یہ دونوں طاقت ور حکومتیں گویا پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے موقع کی انتظار میں ہیں۔

اِن حالات کے تحت اگر اندرون پاکستان باہمی اتحاد نہ ہو بلکہ انتشار و اختلاف کار فرما ہو تو کیا یہ پاکستان کی بربادی کا باعث نہیں ہوگا؟ اس لیے ہر وہ آواز اور ہر وہ سازش جس کے ذریعہ پاکستان کے عوام میں جنگ وجدال اور فتنہ وفساد کی فضا پیدا ہو سکتی ہے وہ پاکستان کے خیر خواہ سے نہیں پاکستان کے دشمن سے سرزد ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں اتحاد اور۔ امن واماں" تب پیدا ہو سکتا ہے جب کہ پاکستان میں بسنے والے کسی شخص اور کسی فرقہ کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر فرقہ اور شخص کی حق رسی ہوتی رہے اور ہر ایک کو عدل وانصاف حاصل ہوتا رہے۔ اس سے پاکستان میں بسنے والا ہر شخص پاکستان کا خیر خواہ ہوگا۔ اور یہ برداشت نہیں کرے گا کہ ملک کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنے اس ملک عزیز پر مال وجان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور برعکس اس کے اگر پاکستان میں کسی فرقہ کی حق تلفی کو راہ دی جائے گی تو فطرۃً وہ فرقہ اپنے حق کو محفوظ رکھنے کے لئے حرکت میں آئے گا۔ حق تلفی سے محفوظ ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے گا۔ اور اس سے جنگ وجدال اور فتنہ اور فساد کی فضا پیدا ہوگی۔

بدقسمتی سے پاکستان میں ایسے شر پسند عناصر موجود ہیں جو عموماً شیعہ سُنی فضا کو مکدر کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور آئے دن ایسی چالیں چلتے رہتے ہیں جن سے شیعہ سُنی چپقلش پیدا ہو اور ہمیشہ ایسے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں جن کا انجام شیعہ سُنی باہم تصادم ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔؟ اس کی صحیح وجہ تو وہ خود ہی بیان کر سکتے ہیں لیکن غالب خیال یہی ہوتا ہے کہ یہ غیر ملکی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ جو اسلام دشمن طاقتوں کے زرخرید ہوتے ہیں غیر ملکی طاقتوں سے وہ مفاد حاصل

کرتے ہیں۔ اور ان کے اشاروں پر وہ پاکستان میں فساد برپا کرنے کی سازشوں کا جال بچھانے کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور ایسے اشخاص عموماً خود کو پاکستان کا خیرخواہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسلام کے خدمت گذار ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ مگر اُن کا کردار بتاتا ہے کہ یہ اپنے دعوؤں میں سچے نہیں ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتا ہے وہ ادارہ جو لاہور میں قائم ہوا ہے اور آئے دن مختلف قسم کے پمفلٹ شائع کر کے شیعہ سُنی فسادات برپا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ چنانچہ حال میں اُس نے ایک پمفلٹ بعنوان: **پاکستان میں دو قانون کیوں؟** شائع کیا ہے۔ اور اس میں اُس نے ارباب حکومت پر زور دیا ہے، کہ پاکستان میں نافذ ہونے والا اسلامی قانون صرف فقہ حنفی کے مطابق تیار ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ شیعہ اثنائے عشریہ کے لیے اسلامی قانون فقہ جعفری کے مطابق تیار ہو۔ اور اہلِ سنت کے لئے فقہ حنفی کے مطابق۔ کیونکہ اگر شیعہ اثناءعشریہ کے لیے الگ قانون ہوا اور اہلِ سنت کے لیے الگ تو اس سے پاکستان میں دو قانون رائج ہو جائیں گے۔ اور یہ اُن کے خیال میں موزوں نہیں ہے کیونکہ اس سے پاکستان کی وحدت مفقود ہو جائے گی۔

ہم پمفلٹ مذکور کے رائٹر کی ان کی عزت و احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ آپ نے حکومت پاکستان کو جو مشورہ دیا ہے۔ یہ نہ صرف قرآن کریم اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے بلکہ یہ پاکستان کے لئے سخت مضر اور نقصان دہ ہے اور اسے بہت جلد تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دھکیل دینے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس سے پاکستان میں شیعہ سُنی فسادات کی آگ بھڑک اٹھنے کا بہت بڑا احتمال ہے۔ نیز احتمال ہے کہ قوم شیعہ اپنی حق تلفی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔ اور ان ہر دو صورتوں میں حکومت پاکستان کے لئے سخت مشکلات پیدا ہوں گی۔

اگر حکومت فسادات کو روکنے اور مظاہرین کو دبانے کے لئے تشدد سے کام لے گی تو حکومت بدنام ہوگی اور حکام پر نااہل ہونے کے الزامات عائد ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کوئی دشمن طاقت ظلم و تشدد کو روکنے کے بہانے دخیل ہو جائے۔ اور اس طرح پاکستان کو ختم کر دینے کا باعث ہو۔ جیسے کہ اس سے قبل مشرقی پاکستان میں بھارت نے مداخلت کر کے مشرقی پاکستان کو ختم کرا دیا اور بنگلہ دیش کو جنم دیا اور اگر حکومت تشدد سے کام نہ لے تو ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگا۔ صورت حال بے قابو ہو جانے کے باعث حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ نہ پاکستان رہے نہ پاکستان کا اسلامی قانون۔ لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی جو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے لئے شرمناک منصوبے بنا رہے ہیں۔

عدل و انصاف اور قرآن کریم کی مخالفت

صاحب پمفلٹ مذکور کی یہ رائے عدل و انصاف اور قرآن کریم کے اس لئے خلاف ہے کہ صاحب موصوف نے اسی پمفلٹ کی ابتداء میں اس حقیقت کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ مملکت پاکستان شیعہ سُنی دونوں کی بھرپور جدوجہد سے وجود میں آئی ہے۔ اور جب پاکستان شیعہ سُنی دونوں کی مشترکہ جدوجہد سے وجود میں آیا ہے تو پھر یہ ملک شیعہ سُنی دونوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ نہ صرف شیعہ کی مخصوص ملکیت ہے نہ صرف اہل سُنت کی مخصوص ملکیت۔ لہٰذا جس طرح اہل سنت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس ملک میں آزادی سے اپنے عقیدہ اور اپنی فقہ پر عمل پیرا ہوں۔ اسی طرح شیعہ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی پوری آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ اور اپنی فقہ جعفری پر عمل کریں۔ اور جس طرح کہ شیعہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اہل سنت کو ان کے حق مذکور سے محروم رکھنے کی کوشش کریں اسی طرح اہل سنت کو بھی یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ

شیعہ کو ان کی مذہبی آزادی کے حق سے محروم کرنے کی فکر کریں۔ اور ظاہر ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون کا صرف اہل سنت کے مطابق تیار کرنا اور شیعہ پر اُسے زبردستی مسلط کرنا یہ شیعہ کی حق تلفی ہے۔ عدل و انصاف کے خلاف ہے اور تعلیم قرآن پاک کی مخالفت ہے۔ حالانکہ عدل و انصاف کے اعتبار سے بھی اور قرآن پاک کے لحاظ سے کسی کی حق تلفی جائز نہیں ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کہ ہر شخص اپنی کوشش کے ثمر کا مالک ہوتا ہے۔ اور جب پاکستان شیعہ سنی فریقین کی مشترکہ کوشش کا ثمر ہے تو قرآنی رُو سے پاکستان شیعہ سنی کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر سوال واقع ہو کہ پاکستان کا مالک کون ؟ تو جواب میں نہ یہ کہا جا سکے گا کہ صدر پاکستان اور نہ یہ کہا جا سکے گا کہ وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ مثلاً اس لیے کہ صدر ہو یا وزیر اعظم یہ تو سب پاکستان کی عوام کے نمائندے ہوتے ہیں جو تقسیم کار کی صورت میں پاکستان کی فلاح و بہبود کی کارگزاریوں کو انجام دینے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لیے سوال مذکور کا صحیح جواب یہی ہوگا۔ کہ پاکستان کے مالک وہی لوگ ہیں جن کی مساعی جمیلہ کے ثمر میں پاکستان وجود میں آیا ہے۔ اور وہ ہیں شیعہ سنی ہر دو اسلامی فرقے جیسا کہ محمد انور صاحب قریشی رائٹر پمفلٹ مذکور نے خود تسلیم کیا ہے۔ اور کہا کہ "پاکستان میں "شیعہ سنی" دونوں نے بھرپور جد وجہد کی تھی۔" پمفلٹ ص ۱ اور جب قرآنی رو سے عدل و انصاف کے تقاضا سے شیعہ بھی اہل سنت کے ساتھ مملکت پاکستان میں برابر کے شریک ہیں تو پھر یہ ہرگز درست نہیں کہ اسلامی ملک کا قانون صرف اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق تیار ہو اور شیعہ کو اُن کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ کیونکہ قرآن پاک کی رو سے کسی کی حق تلفی جائز نہیں ہے۔ اور کسی کی حق تلفی عدل و انصاف کا خون ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی

قانون میں شیعہ و سُنی فریقین کے حق کو مدنظر رکھا جائے اور واضح الفاظ میں اس امر کی ضمانت دی جائے کہ پاکستان میں اہل سنت اپنے عقیدہ اور اپنی فقہ حنفی کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوں گے اور شیعہ اپنے عقیدہ اور اپنی فقہ جعفری کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوں گے اور پاکستان میں جو قانون بنایا جائے گا اس میں فقہ جعفری کا بھی شیعہ کے لئے اس طرح لحاظ کیا جائے گا جس طرح اہلسنت کے لئے ان کی فقہ کا۔

یہی وہ دانشمندانہ طریقہ ہے جو قرآن و سنت اور عدل و انصاف کا بھی مقتضی ہے اور اس سے شیعہ سُنی میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اور ان کا مذہبی اختلاف باقی رہتے ہوئے باہم کسی فتنہ و فساد کا باعث نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ہر ایک فرقہ اپنے اپنے مقام پر مطمئن ہوگا اور خوش ہوگا کہ اس کے حق کی حق رسی ہو رہی ہے اور اس سے وہ دونوں فرقے متحد اور متفق ہو کر پاکستان کی بقاء، استحکام اور ارتقاء کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔ اور اس اتحاد و اتفاق کے طفیل وہ اپنے ملکی مقاصد میں اسی طرح کامیاب رہیں گے جس طرح کہ پاکستان کے بنانے میں اسی اتحاد و اتفاق کی بدولت کامیاب ہوئے تھے۔ اس کے برعکس پاکستان کا اسلامی قانون اگر صرف اہل سُنت کے عقیدہ اور فقہ کے مطابق ہوگا تو اس سے پاکستان میں فسادات کے شعلے بلند ہوں گے۔ جو بالآخر پاکستان کے زوال کا باعث ہو سکتا ہے لہٰذا محمد انور قریشی صاحب کی رائے کہ پاکستان کا اسلامی قانون صرف اہل سنت کے عقیدہ اور فقہ کے مطابق ہونا چاہیے پاکستان کے لئے نہایت نقصان دہ ہے اور عدل و انصاف اور قرآن حکیم کے بھی خلاف ہے

قرآن کریم یہ اجازت نہیں دیتا کہ دین میں کسی پر جبر کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا:۔
لا إكراه في الدين ۔ کہ دین کے بارے میں جبر و اکراہ ہرگز جائز نہیں۔ رشد و ہدایت اور ضلالت و سرکشی ایسے واضح امور ہیں کہ ہر عقلمند اپنی صوابدید کو عمل میں لا کر اپنا دینی راستہ متعین کر سکتا ہے۔

اسلامی مُلک کے لئے جائز نہیں کہ وہ ممالکِ کفر کی۔ دریوزہ گری۔ کرے

اسلام ایک مستقل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی دنیا و عقبیٰ ہر دو قسم کی زندگی کے ہر گوشہ کے لئے مفید احکام اور ہر طرح سے مکمل ضوابط کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اِس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے اور قرآن کریم وہ الہامی کتاب ہے کہ وہ اپنے دعوی "تبیاناً لِکلِّ شیٔ" کے مطابق ہر شے کے بیان پر مشتمل ہے۔ رسُولِ خدا کہ جو درس قدرت کے پڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے انسانی زندگی کے ہر قسم کے مسائل کو بڑی بُسط سے بیان فرمایا۔ سمجھایا۔ اور عمل کر کے دکھایا۔ انہوں نے انسان کی انفرادی حیثیت کے احکام بھی بتائے۔ اجتماعی زندگی کے مسائل بھی تعلیم کیے۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر قسم کا حکم خود شریعتِ اسلام سے حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ اِس کا محتاج نہیں کہ کسی مسئلہ میں کفر کی دریوزہ گری کرے بشرطیکہ اسے پورے اسلام سے شناسائی اور واقفیت حاصل ہو۔

لیکن جو لوگ شریعت اسلام سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ ان کی تعلیم ہی اکثر وبیشتر ممالک کفر میں ہوتی ہے، بلکہ عموماً ان کی پیدائش ہی ایسے گھرانوں میں ہوتی ہے۔ اور وہ ایسے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں کہ جو مغربی افکار کی آماجگاہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر مسئلہ کے حل کرنے کے وقت ممالکِ کفر پر نظر ڈالتے ہیں اور انہیں کے طور وطریق کو وہ صائب اور درست سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ اسلام کی تعلیمات سے نابلد ہوتے ہیں۔ پمفلٹ کے موئف مذکور اسی معیار کے معلوم ہوتے ہیں کہ انہوں نے جب پاکستان میں فساد کا بیج بونے کے لئے یہ رائے قائم کی ہے کہ پاکستان کا اسلامی قانون پاکستان کے اکثریتی فرقے اہل سنت کے

کے مذہب کے مطابق ہونا چاہیئے۔ تو بجائے اِس کے کہ وہ اپنی اس رائے کی حقانیت کے لئے قرآن وسنت سے کوئی دلیل پیش کرتے۔ انہوں نے اہلِ کفر کی حکومتوں "انگلینڈ، آئرلینڈ، سپین، پرتگال، سویڈن، کولمبیا۔ ارجنٹائن وغیرہ" کی مِثالیں پیش کی ہیں۔ جو سب کافر حکومتیں ہیں۔ اِن میں سے کسی کے نزدیک "قانونِ اسلام قانون حق نہیں۔ وہ سب دینِ اسلام کو دینِ باطل سمجھتے ہیں۔ مگر مقامِ افسوس ہے ہمارے ان مسلمانوں پر کہ جو پاکستان میں قانونِ اسلام جاری کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ قانون اسلام میں بھی اہلِ کفر کی اتباع اور پیروی ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک صاحبِ عقل سلیم یہیں سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ جس قانون کی بُنیاد اہلِ کفر کی اِتباع و اقتداء پر ہوگی تو اُسے قانونِ اسلام کہنا کیسے صحیح ہوگا؟

ہمارے ممدوح نے حکومتوں کی اس فہرست میں حکومتِ ایران کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے خیال میں ایران کے قانون کو بھی اکثریتی فرقے کے مذہب کے مطابق ہونے کی مثال قرار دیا ہے۔ لیکن ان کو کون بتائے کہ قانونِ ایران کی بنیاد اکثریت کے مذہب پر نہیں رکھی گئی۔ بلکہ آئینِ ایران کی بنیاد قرآن وسنّت اور دینِ اسلام پر رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ اتفاقی بات ہے کہ ایران میں قرآن وسنّت اور دینِ اسلام کے پیروکار نسبۃً دوسرے لوگوں کے اکثریت میں تھے۔ اور ایران ہی دنیا بھر میں ایک واحد حکومت ہے کہ جس میں حکومت کے قانون کی بُنیاد قرآن وسنّت اور دینِ اسلام پر قائم کی گئی ہے۔ اگر ایران میں قرآن وسنّت کو ماننے والے اقلیت میں بھی ہوتے تو بھی ایرانی حکومت کی بُنیاد قرآن وسنت پر ہی قائم ہوتی۔ کیونکہ ایرانی قوم نے قرآن وسُنّت کی حکومت قائم کرنے کی خاطر ہی تو انقلابی جہاد کیا اور شاہِ ایران کو ایران چھوڑنے پر مجبور کیا۔ نتیجتہً تائید ایزدی کے ساتھ ایرانی اپنے اس نیک مقصد میں کامیاب ہوئے۔

عراق وغیرہ میں اقلیت کی حکومت کیا بین الاقوامی اصولوں کے خلاف ہے؟

صاحب موصوف کے نزدیک بین الاقوامی اصول یہ ہے کہ ہر ملک میں قانون اس ملک کی اکثریت کے مطابق ہوتا ہے اور حکومت اکثریت کی ہوتی ہے۔ سربراہِ مملکت صدر، وزیر اعظم، پارلیمنٹ کا سپیکر "اکثریت کے عقیدہ کے ہونے ضروری ہیں۔

ہم صاحب موصوف سے سوال کرتے ہیں کہ عراق میں جب اکثریت شیعہ سنی مسلمانوں کی ہے۔ تو پھر حکومت بعث پارٹی کی کیوں ہے؟ یہ حکومت آپ کے بنائے ہوئے بین الاقوامی اصول کے جب خلاف ہے تو پھر آپ نے اس وقت تک حکومت عراق کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی؟ جس طرح جنوبی افریقہ کی سفید فام اقلیت اور اسرائیل کی صیہونی یہودی اقلیت کا تسلط غیر انسانی اور آزادی و انصاف کے اصولوں کے منافی ہے۔ اسی طرح عراق میں حزب بعث کے ایک چھوٹے ٹولے کو اس ملک کی مسلم اکثریت پر اپنے اشتراکی نظریہ کو مسلط کرنے کا قطعاً حق نہیں ہے۔

پبلک لاء اور پرسنل لاء کا تصور اسلامی نہیں!

پبلک لاء اور پرسنل لاء کا تصور اسلامی نہیں ہے۔ نہ قرآن پاک میں ان دونوں قسم کے لاء کے باہمی فرق کا ذکر ہے۔ نہ حدیث شریف میں اس کا تذکرہ ہے، یہ مغرب کے ممالک کفر کی ایجاد ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت، خالص اسلامی حکومت تھی۔ اور مقابلے میں اہل کفر تھے۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضور کے زمانہ میں اہلِ اسلام کفر کے مقابلہ میں بہت بڑی اقلیت میں تھے۔ اگر اسلامی رو سے حکومت کا اکثریت کے مذہب کے مطابق ہونا ضروری ہوتا تو آنحضرت کبھی اسلامی حکومت قائم نہ کرتے۔ اور ہمیشہ کفر کے تابع رہتے۔ حالانکہ حضور نے ہمیشہ کفار کی اکثریت کا

مقابلہ کیا۔ ان سے جنگیں لڑتے رہے اور حکم خداوند عالم کے مطابق اپنے آپ کو اسلام کا فرمانروا اور حاکم اعلیٰ قرار دے کر تمام لوگوں کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دیتے رہے۔

فرمانِ ربی ہے: "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔ پ۵ سورہ نساء ۴ آیت ۱۴۱ ع ۲" کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مومنین پر حکومت اور غلبہ کے استحقاق کے لئے ہرگز کوئی راہ نہیں بنائے گا" یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مومنین پر حکومت اور غلبہ حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے۔ آیت سے واضح ہے کہ کفار کو مومنین پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں خواہ کفار اکثریت میں ہی ہوں کیونکہ اس استحقاق سے مومنین کی توہین اور کفار کی تعظیم و توقیر لازم آتی ہے۔ اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کی توہین اور کفار کی تعظیم کو راہ دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے اس آیت پر چند مسائل کی بنیاد قائم کی ہے۔ ایک یہ کہ اگر کسی وقت کفار مسلمانوں پر غالب آجائیں اور مسلمانوں کے اموال جمع کر کے اپنے ملک دار الحرب میں لے جائیں تاہم وہ اُن اموال کے بحکم اللہ مالک نہیں بن سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسا غلبہ حاصل کرنے کا حق نہیں دیا گیا۔

دوم۔ کافر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی مسلمان غلام کو خرید کرے۔ کیونکہ اس سے مسلم کی توہین اور کافر کی توقیر لازم آتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافر کو صرف اتنا ہی حق نہیں دیا کہ وہ مسلمان غلام کو خرید کرے تو پھر کافر کو مسلمانوں پر حکومت کا حق تو بطریق اولیٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ یہ کہ ایک مسلم کو کافر ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مسلم کی شان اس سے بلند ہے کہ اگر وہ کسی کافر ذمی کو قتل کرے تو پھر اس کے بدلے قتل کیا جائے۔

ملاحظہ ہو تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۳ ص ۳۴۱ و تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۵ ص ۲۰۱

اس وضاحت سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تصور غیر اسلامی ہے کہ ایک پبلک لاء ہوتا ہے اور ایک پرسنل لاء۔ اور پبلک لاء مذہب اکثریت کے مطابق ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ درست ہو تو پھر مسلمانوں پر ہمیشہ کفار کی حکومت رہے کیونکہ مسلمان ہمیشہ عالم دنیا کے کفار کے مقابلہ میں اقلیت میں رہے اور آج بھی اقلیت میں ہیں حالانکہ اسلامی رو سے کفار کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں جیسا کہ آیت مبارکہ "ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المسلمین سبیلا" سے ظاہر ہے۔ اس لئے حکومت کا حق اکثریت اور اقلیت دونوں کو حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استحقاق حکومت حاصل ہو۔

اکثریت اور اقلیت ہر دو کے عقیدہ کا تحفظ لازم ہے۔

ایک انصاف پرور اور دانشمند حاکم کے لئے لازم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے دائرہ حکومت میں بسنے والے تمام فرقوں کے عقائد کا تحفظ کرے۔ خواہ وہ خود جس فرقہ سے شمار ہو مگر ہمارے ممدوح کہتے ہیں کہ حاکم پر صرف اکثریت کے عقیدہ کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ حکومت بھارت پر مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے عقائد کو تحفظ دینا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ ہندو مذہب کے عقائد کی حفاظت ضروری ہے۔ حکومت بھارت کے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ مسلمانوں کو کچل ڈالے اور صرف ہندو مذہب کی حفاظت کرے۔ اور اسی طرح چین، جاپان، امریکہ، روس وغیرہ کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ مسلم اقلیت کے حقوق پامال کریں۔ لہٰذا اسلامی سلطنت بھی قرآن حکیم کی رُو سے ذمہ دار ہے کہ وہ ہر فرقہ کو آزادی دے اور اُن کا تحفظ کرے۔ کیونکہ قرآن نے فرمایا۔ لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغی۔ کہ دین میں جبر جائز نہیں۔ اقلیت اور اکثریت ہر دو اپنے اپنے عقیدہ میں آزاد و خود مختار ہیں۔

اکثریت کی رائے اور عمل، حق کو باطل، اور باطل کو حق نہیں بنا سکتے

حق اپنے مقام پر ہمیشہ حق ہوتا ہے خواہ اکثریت اس کی مخالفت کرے اور باطل اپنے مقام پر ہمیشہ باطل رہتا ہے خواہ اکثریت اس کی حامی ہو جائے۔ اکثریت کی مخالفت حق کو باطل نہیں بنا سکتی۔ اور اکثریت کی موافقت و حمایت باطل کو حق نہیں بنا سکتی۔ اسلام حق ہے اور دنیا میں غیر مسلم اقوام مسلمانوں کی نسبت بڑی اکثریت میں ہیں اور وہ اسلام کے مخالف ہیں مگر پھر بھی اسلام حق ہے اس اکثریت کی مخالفت سے اسلام کی حقانیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ قدرت کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف اسلام ہے جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے اسلامی نظریہ کے مطابق اکثریت کی کوئی وقعت نہیں اکثریت کا نظریہ حق بھی ہو سکتا ہے۔ اور باطل بھی ہو سکتا ہے۔ اکثریت کے عمل، نظریہ کو محض اس لیے حق قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اکثریت کا نظریہ یا عمل ہے۔ حقانیت کی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف کی موافقت پر قائم ہے۔ اکثریت کی حمایت پر نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر اکثریت کی مذمت اور اقلیت کی مدح واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ قلیل من عبادی الشکور۔ کہ میرے بندوں میں سے تھوڑے ہیں جو شکر گزار ہیں یعنی اکثریت ان میں ناشکرے اور کفران کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا۔ ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثرھم لا یشکرون۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر احسان کرنے والا ہے لیکن اکثر ان میں سے شکریہ ادا نہیں کرتے بلکہ کفران کرتے ہیں۔

نیز فرمایا۔ قل الحمد للہ بل اکثرھم لا یعلمون۔ کہہ دو کہ سب تعریفیں

اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں بلکہ اکثر اس کا علم نہیں رکھتے یعنی جاہل ہیں نیز فرمایا:۔ لا یخلف اللہ وعدہٗ و لکن اکثر الناس لا یعلمون۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ جاہل ہوتے ہیں۔ نیز فرمایا۔ منھم المومنون و اکثرھم الفاسقون۔ کہ بعض اُن میں سے مومن ہیں اور اکثر اُن میں سے فاسق ہیں۔ نیز فرمایا۔ و ان اکثرکم فاسقون۔ کہ اکثر تم میں سے فاسق ہیں۔

اکثریت کی مذمت میں آیات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصار اس وقت ممکن نہیں لہذا اکثریت کو وہ شرف حاصل نہیں جو ہمارے ممدوح کے خیال میں ہے وہ مغرب کے نظریات سے متاثر ہیں اگر قرآن وحدیث سے متاثر ہوتے تو پھر بخلافِ قرآن اکثریت کو تمام فضائل کا مرکز قرار نہ دیتے۔

سربراہ مملکت پاکستان اکثریتی و اقلیتی ہر دو فرقوں کا فرد ہو سکتا ہے

مملکتِ پاکستان کی سربراہی کا شرف قابلیت۔ استعداد اور کردار کی بلندی پر موقوف ہے۔ یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ اکثریتی فرقے کا ہی فرد ہو۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم اکثریتی فرقے کے فرد نہیں تھے لیکن اُن کی قابلیت اور استعداد کی بلندی کے باعث انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ آج تک اُن کی تصویر پاکستان کے کرنسی نوٹوں پر بھی حکومت کر رہی ہے۔ اور سابقہً ذکر ہو چکا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی سلطنت کے پہلے سربراہ تھے۔ اور اہلِ اسلام اہلِ کفر کے مقابلہ میں بہت بڑی اقلیت میں تھے۔ قریشی صاحب کی طرف سے یہ اظہار کہ سربراہِ مملکت اکثریت کا فرد ہونا چاہیے یہ بھی اہلِ پاکستان میں پھوٹ ڈالنے اور فساد کو ہوا دینے کی ایک چال ہے ورنہ دنیا کے

کئی ممالک میں اقلیت کے افراد سربراہ ہیں۔ عراق میں بعث پارٹی اقلیت میں ہے اور عراق کا سربراہ اسی اقلیت کا فرد ہے۔ نیز افریقہ کی سفید فام اقلیت کا فرد اُن کی حکومت کا سربراہ ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں کئی اور ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی سربراہی اقلیت کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کوئی لازم نہیں کہ سربراہی اکثریت کو حاصل ہو۔ اور قرآن و حدیث کی رُو سے بھی اکثریت کا ہی حق نہیں ہو سکتا۔ سابقاً بیان ہو چکا کہ قرآن پاک میں اکثر و بیشتر طور پر اکثریت کی مذمت کی گئی ہے اس لیے پاکستان میں مذہبی مشاورتی امور وغیرہ ہر ادارے میں شیعہ کو بھی برابر کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔

عقائد شیعہ و سنیہ کا بے جا تذکرہ۔

پمفلٹ مذکور کے مؤلف نے بلاوجہ شیعہ عقائد کا ذکر چھیڑا ہے۔ جن میں حق و باطل کو باہم مخلوط کیا ہے اور کتمان حق سے کام لیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ و لا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق و انتم تعلمون اس سے روگردانی کرتے ہوئے کئی ایسی چیزوں کو شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ جن سے شیعہ کا دامن پاک ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں کہ امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا۔ تو سب سے پہلے محمد مصطفےٰ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اور پھر حضرت علیؑ بیعت کریں گے۔ یہ شیعہ پر بہتان ہے۔ شیعہ کا دامن اس سے پاک ہے

نیز شیعہ کی طرف یہ عقیدہ بھی منسوب کیا ہے کہ شیعہ کے ہاں امام کا درجہ رسولؐ خدا کے برابر ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعہ اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ شیعہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا درجہ ہر مخلوق سے بلند ہے۔

لکھا ہے کہ سُنّی احباب عقیدہ امامیہ کے معتقد نہیں ہیں کیونکہ قرآن وسنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے اور ہمارے نزدیک قرآن وسنت ہی حق و باطل کی کسوٹی ہے۔ انتھی

بے شک قرآن و سنت ہی حق و باطل کی کسوٹی ہے ولاریب کہ شیعہ امامیہ کا عقیدہ قرآن و سنت کے سلسلہ ثابت ہے لیکن قریشی صاحب موصوف کو چونکہ پاکستان میں شیعہ کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانا مطلوب ہے اس لئے وہ "حقائق" کا انکار کر رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے وہ اس قدر دیوانہ وار کوشاں ہیں کہ اس کے باعث انہیں نہ قرآن و سنت کی خلاف ورزی کی پرواہ ہے اور نہ اس کی پرواہ ہے کہ اُن کا فساد کا بویا ہوا یہ بیج پاکستان کی تباہی، بربادی اور اس کے زوال کا باعث ہوسکتا ہے۔

⊙ لکھتے ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر حکومت ہے۔ اور تمام مخلوق اس کے سامنے سرنگوں اور تابع ہے اور یہ کُن فیکونی اختیار کسی انسان کو نہیں۔ انتھی

بے شک اصالۃً کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس برگزیدہ بندے کو کائنات میں اپنی خلافت اور نیابت عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس خلیفہ اور نائب کو بھی کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر خلیفۃُ اللہ ہونے کی حیثیت سے حکومت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ خلیفہ خدا جب کائنات کی کسی چیز کو کوئی حکم دے تو وہ چیز بقدرتِ خدا اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ حضور سرورِ کائنات کے لئے شق القمر کا وقوع پذیر ہونا۔ حضور کے دست ہائے مبارکہ میں سنگریزوں کا تسبیح کرنا، حضور کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، حضرت عیسیٰ کے لئے مُردوں کا زندہ ہونا۔ نابیناؤں کا بینا ہو جانا وغیرہ وغیرہ معجزات انبیاء و ائمہ ھدیٰ و کرامات اولیاء سب اسی کے شواہد ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کُن فیکونی اختیار پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ یہ سب واقعات اللہ تعالیٰ کے کن فیکونی اختیار کے مظاہر ہیں۔ اور خاصانِ خدا کی عند اللہ عظمت و جلالت کے دلائل ہیں۔

⊙ لکھتے ہیں کسی انسان کا مقام و مرتبہ انبیاء و رسل سے بالاتر نہیں ہے۔ انتھی

بے شک عام انسانوں کا مرتبہ اور مقام تمام انبیاء و رسل سے پست ہے لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین، نائب اور آپ کے خلیفہ کا مرتبہ اور

مقام حضورؐ کے علاوہ دیگر انبیاء و رُسل سے قرآن و سنت کے پیش نظر بالاتر ہے۔ کیونکہ حضور کا خلیفہ امیرالمومنین ہوتا ہے اور تمام انبیاء و مرسلین ان مومنین میں شامل ہیں کہ جو حضور کی نبوت اور رسالت پر ایمان لانے والے ہیں کیونکہ قرآنی رُو سے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مامور کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ حضور پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ چنانچہ فرمایا۔ لتومنن بہ و لتنصرنہ۔ اور ظاہر ہے۔ کہ امیرالمومنین کی شان مومنین سے بالاتر ہوتی ہے۔ پھر جب قرآن شاہد ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کو خداوند عالم نے حکم دیا تھا کہ وہ حضور سرور کائنات کی نبوت پر ایمان لائیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ انبیاء و مرسلین حکم خداوندی پر عمل نہ کریں۔ اس لئے کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو اپنے زمانہ میں حضورؐ کی نبوت و رسالت پر ایمان نہ لایا ہو۔ اس لیے تمام انبیاء و مرسلین آیت مبارکہ۔ "یا ایہا الذین آمنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم" کے تحت مامور ہیں کہ وہ رسول خدا اور آپ کے خلفاء یعنی اولی الامر کی اطاعت کریں کیونکہ تمام انبیاء و مرسلین ان لوگوں میں شامل ہیں جن کو "یا ایہا الذین آمنو الخ" کے الفاظ سے خطاب ہوا۔ اس لئے انبیاء و مرسلین من جانب اللہ رسول خداؐ کے خلفاء کی اطاعت کرنے پر مامور ہیں اور ظاہر ہے جس کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی شان اس سے بالاتر ہوتی ہے جس کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور اسی مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے تو وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور آپ کے حکم کی اطاعت کے فرائض انجام دیتے ہوئے ان کی مدد کریں گے۔

اب ہمارے ممدوح قریشی صاحب خود بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے ان تمام حقائق

ہے کیوں چشم پوشی کی ہے؟ کیا ان کو قرآن و سنت کے ان حقائق پر اطلاع نہیں یا وہ اپنے مشن کا فریضہ ادا کر رہے ہیں کہ انہوں نے شیعہ کی مخالفت کر کے پاکستان میں انتشار پھیلانے کی ہر قیمت پر کوشش کرنا ہے۔

● تحریر کیا ہے۔ انبیاء و رسل کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں ہے۔

— قریشی صاحب تو یہ کہتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت کہتے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں بھی معصوم موجود تھے کہ جو نبوت کے درجہ پر فائز نہیں تھے کیونکہ نبوت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی تھی مگر وہ عصمت کے شرف سے مشرف تھے۔ منجملہ ان آیات کے کہ جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں ایک آیت اولی الأمر ہے جس کا تذکرہ سابقاً ہو چکا۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اولی الأمر کا مصداق وہی ہستیاں ہو سکتی ہیں جو معصوم ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولی الأمر کی اطاعت کا اسی طرح علی الاطلاق حکم دیا ہے جس طرح کہ رسول پاک کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ ایک ہی لفظ "اطیعوا" ہے جس کا تعلق الرسول اور اولی الامر دونوں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطاعت مطلقہ کا حکم اس شخص کے متعلق ہو نہیں سکتا۔ جو معصوم نہ ہو۔ لہذا آیت بتا رہی ہے کہ رسول بھی معصوم تھے اور اولی الامر بھی معصوم۔ لہذا معلوم ہوا کہ قرآنی تعلیم کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کچھ ہستیاں دیگر بھی ایسی تھیں جو معصوم تھیں۔

— نیز قرآن پاک کا ارشاد ہے: "وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبه یعدلون۔ کہ جو لوگ ہم نے پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک امت ایسی ہے جو ہمیشہ حق کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور حق کے مطابق ہی خود عمل کرتے ہیں۔ بتایئے جو اُمت ہمیشہ حق کے مطابق ہدایت بھی کرتی اور حق کے مطابق ہی عمل بھی کرتی ہے۔ وہ معصوم نہیں تو کون ہیں؟

- نیز ارشادِ پروردگار ہے ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ ۔ کہ تم تمام امتوں میں سے افضل اُمت تھے ۔ جن کو لوگوں کے مفاد کے لئے پیدا کیا گیا ۔ تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے اور اللہ کی ذات پر کامل ایمان رکھتے تھے ۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اس گروہ کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے افضل امت قرار دیا ہے اور جو تمام امتوں سے افضل امت ہے وہ یقیناً حضرت موسیٰ کی قوم کی اس امت سے بھی افضل ہو گی جن کے متعلق ارشادِ قدرت ہے :- ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون ۔ کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم سے ایک گروہ ایسا تھا جو ہمیشہ حق کے مطابق ہدایت کرتے تھے ۔ اور حق کے مطابق ہی عمل بھی کرتے تھے ۔ اور یہی شانِ معصوم ہے ۔

اور جب حضرت موسیٰؑ کی قوم میں ایک اُمت ایسی تھی جو عصمت کی حامل تھی تو ان سے جو افضل اُمت ہے وہ یقیناً بطریق اولیٰ عصمت کے بلند درجہ کی حامل ہو گی ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت قرآنی شہادت کے مطابق ایسی تھی جو عصمت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھی اور یقیناً وہ نبوت پر فائز نہیں تھی کیونکہ نبوت رسولِ پاک پر ختم ہو چکی ۔ لہٰذا یہ کہنا قرآنِ پاک کے خلاف ہے کہ انبیاء رسل کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں ہے ۔

- نیز اس فرمانِ ربی میں مسلمانوں کی اس جماعت کی مدح میں قدرت نے فرمایا ہے تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ۔ کہ تم ہر نیکی کا حکم دیتے اور ہر برائی سے منع کرتے ہو ۔ اور ظاہر ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی کی مدح کا باعث اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نیکی کا حکم دینے والا خود نیکی کو بجا بھی لاتا ہو اور اسی طرح برائی سے منع کرنا کسی کی مدح کا اسی صورت میں باعث ہو سکتا ہے جب کہ وہ

خود بُرائی سے اِجتناب کرتا ہو۔ ورنہ تو بجائے مدح کے اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر مذمت کا باعث ہو جائیں گے۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔ اَتَامُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَتَنسَونَ اَنفُسَکُم وَاَنتُم تَتلُونَ الکِتَابَ اَفَلَا تَعقِلُونَ۔ اہل کتاب کی مذمت میں قدرت نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہو۔ حالانکہ تم کتاب کو بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

معلوم ہوا کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور اس کا پابند نہ ہونا لائق مذمت ہونے کا باعث ہوتا ہے اور خداوندِ عالم نے اسے بے عقلی اور حماقت سے تعبیر کیا ہے نیز فرمایا۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفعَلُونَ کَبُرَ مَقتًا عِندَ اللّٰہِ اَن تَقُولُوا مَا لَا تَفعَلُونَ۔ کہ تم وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں یہ نہایت ناپسندیدہ اور مبغوض اُمر ہے کہ تم وہ کچھ کہو جو کرو نہیں۔ معلوم ہوا نیکی کو نیکی کہنا اور پھر نیکی کو عمل میں نہ لانا اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ اس لیے آیتِ مبارکہ "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ الخ" میں مسلمانوں کی وہ جماعت مراد ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہر نیکی کو بجالاتے ہیں۔ اور دوسروں کو ہر برائی سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ خود کسی بُرائی کے قریب نہیں جاتے۔ اور یہی تو معصوم کا شیوہ ہے کہ وہ ہر نیکی کو بجالاتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ ہر برائی سے خود دُور رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ مسلمانوں میں ایک اُمت معصوم تھی اور ہے۔ اس لئے یہ نظریہ خلافِ قرآن ہے کہ انبیاء و رسل کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

ہاں اُمتِ مسلمہ کے سارے افراد خیر امت ہونے کا مصداق نہیں بن سکتے۔ کیونکہ قرآن و حدیث بھی شاہد ہیں اور مشاہدہ بھی گواہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت عصمت سے عاری ہے۔ قرآن نے خود فرمایا۔ کہ اکثر لوگ ناشکرے اور کفران کرنے والے ہیں۔ نیز

فرمایا۔ اکثر اُن میں سے فاسق ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو نماز روزے واجبات کی پابندی نہیں کرتے۔ شراب خوری، جوآ بازی وغیرہ محرمات سے نہیں بچتے۔ حلال خوری، حق گوئی کا التزام نہیں کرتے۔ زمانۂ رسولؐ کے مسلمانوں کی مذمت قرآن پاک میں جابجا وارد ہوئی ہے کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔ اپنے نفوس کی خیانت کرتے تھے تب ہی تو ارشاد ہوا۔ اعلم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم۔ بہرحال بکثرت مسلمانوں کا پابند شریعت نہ ہونا محتاجِ بیان نہیں۔ اِس لیے تمام امتوں سے افضل ہونے کی فضیلت سارے مسلمانوں کو ہرگز حاصل نہیں بالخصوص جبکہ سابقہ اُمتوں میں حضرت موسیٰ کی قوم کی وہ اُمت بھی تھی جن کے متعلق قرآن نے خود گواہی دی ہے کہ وہ ہمیشہ حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور حق ہی کے مطابق عمل پیرا رہتے تھے۔ یقیناً اس امت سے افضل وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا، جنہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کیے۔ اِس لیے اس آیت کا مصداق سارے مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ذواتِ مقدسہ مراد ہیں جو ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں اور وہ معصومین ہی درج ذیل آیت میں بھی مُراد ہیں چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔ وکذٰلک جعلنٰکم اُمۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی النّاس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔ کہ اسی طرح ہم نے تم کو افراط و تفریط سے محفوظ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے والی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تمہارے اوپر نگران اور گواہ ہو۔

اس آیت میں جو لفظ "امت وسطاً" وارد ہوا ہے۔ اس سے مراد سارے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسلمانوں میں فاسق بھی موجود ہیں اور اسلام میں فاسق کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی بلکہ اُمتِ وسط سے مراد مسلمانوں کی وہ برگزیدہ شخصیتیں ہیں جو ہر گناہ

سے محفوظ ہیں اور وہی اس شان کے مالک ہیں کہ سب لوگوں کے نگران اور گواہ ہوں اور قرآن میں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی فعل یا کوئی وصف کسی قوم کے بعض افراد سے متعلق ہوتا ہے مگر مجازاً خطاب ساری قوم کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بنی اسرائیل کے بعض افراد نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ لیکن خطاب سب کو ہو گیا اور فرمایا واذ قتلتم نفسا فادارأتم فیها۔ کہ جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا اور پھر تم اس کے قتل کو ایک دوسرے کے ذمہ لگاتے تھے۔ لہذا جیسے اس آیت میں بظاہر خطاب ساری قوم بنی اسرائیل کو ہو گیا اور قتلتم کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ واقع میں قاتل بعض تھے۔ اسی طرح جعلناکم میں مجازاً خطاب سارے مسلمانوں کو ہو گیا ہے حالانکہ سارے مسلمان امت وسط کے وصف سے متصف نہیں بلکہ وہ بعض ذی شان مسلمان اس وصف کے حقدار ہیں جو ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں اور یہی صورت گذشتہ آیت: وکنتم خیر امۃ اخرجت میں بھی ہے۔ تمام امتوں سے افضل ہونے کے حقدار مسلمانوں میں سے وہ باعظمت افراد ہیں جو گناہ سے پاک اور عصمت کے حامل ہیں مگر خطاب بظاہر سارے مسلمانوں کو ہو گیا ہے کیونکہ ایسا ہر زبان میں ہوتا رہتا ہے علاوہ ازیں درج ذیل آیات بھی مسلمانوں میں معصومین کے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ کہ اے ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صادقین کی اتباع اختیار کرو۔

اس آیت میں صادقین سے مراد ایسے پاکیزہ اور معصوم حضرات ہیں جو اپنے ہر قول اور ہر فعل میں سچے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عامۃ المومنین کو علی الاطلاق اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور صادقین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور سابق بیان ہو چکا کہ غیر معصوم کی اطاعت کا علی الاطلاق حکم نہیں ہو سکتا ورنہ تو گناہ میں بھی غیر معصوم کی اطاعت واجب ہو جائے گی حالانکہ گناہ میں کسی کی اطاعت کرنا حرام

ہے۔ اس لیے صادقین سے مراد معصومین ہیں۔

یہ سب آیات جو نقل کر دی ہیں یہ اس امر کی دلیل ہیں واضح ہیں کہ علاوہ رسول پاکؐ کے مسلمانوں میں بھی ایسے عظیم الشان افراد موجود تھے کہ جو ہر گناہ سے پاک و پاکیزہ اور معصوم تھے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ انبیاء و رسل کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں ہے۔ اب ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں معصوم موجود تھے اور موجود ہیں۔ آیات جو نقل ہو چکی ہیں وہ کافی ہیں۔

۱۔ حضورؐ نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم میں گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ ایک قرآن کریم، دوسرے میری اہل بیت۔

ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی ابدا۔ اگر تم ان دونوں کی اطاعت کرو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

اور یہ دونوں آپس میں باہم جدا نہیں ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔

اس حدیث سے مثل روز روشن ثابت ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کا کوئی قول یا کوئی فعل ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ جو خلاف قرآن پاک ہو۔ ورنہ تو قرآن اور اہل بیت میں افتراق پیدا ہو جاتا۔ لہذا بفرمان رسولؐ ثابت ہوا کہ اہل بیت کا ہر قول اور ہر فعل قرآن پاک کے مطابق ہے اور اس میں شک نہیں کہ قرآن ہر غلطی سے پاک ہے اور جب پاک ہے تو اہل بیت بھی ہر غلطی اور ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ لہذا یہ کہنا فرمان رسولؐ کی مخالفت ہے کہ انبیاء و رسل کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں۔

۲۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مثل اہلبیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا غرق وھوی۔ کہ میرے اہل بیت حضرت نوحؑ کی کشتی کی مثل ہیں کہ جو حضرت نوح کی کشتی پر سوار ہو گیا تھا۔ وہ

نجات پاگیا تھا اور جو سوار ہونے میں خلاف ورزی کر گیا وہ غرق ہو گیا اور تباہ ہو گیا تھا۔

اس حدیث سے بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیتِ رسول معصوم تھے کیونکہ رسولِ خدا نے اہلِ بیت کی اطاعت کو نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم کی علی الاطلاق اطاعت نجات کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ غیر معصوم سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور گناہ میں اطاعت نجات کا باعث ہرگز نہیں ہو سکتی۔

۳۔ تیسر حضورؐ نے اہلِ بیتؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ انا حرب لمن حاربتم و سلم لمن سالمتم۔ کہ میری ان لوگوں سے جنگ ہے جو تم سے جنگ کریں اور ان لوگوں سے صلح ہے جو تم سے صلح کریں۔

معلوم ہوا کہ اہلِ بیتؑ اگر کسی سے جنگ کریں تو بھی وہ حق پر ہوتے ہیں اور کسی سے صلح کریں تو بھی وہ حق پر ہوتے ہیں۔ ہر دو صورتوں میں وہ غلطی اور خطا نہیں کر سکتے اور یہی شانِ معصوم ہے۔ اگر ان سے غلطی اور خطا سرزد ہو سکتی تو رسولِ پاک ان کی جنگ کو اپنی جنگ اور اُن کی صلح کو اپنی صلح قرار نہ دیتے۔

۴۔ میدانِ خیبر میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کل میں ایسے مرد کو یہ عَلَم دوں گا جو کرّار ہے فرار نہیں۔ یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں اور حضورؐ نے دوسرے دن عَلَم حضرت علیؑ کو عطا کیا تھا۔

اس حدیث میں حضورؐ نے نص فرمائی کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس شخص سے محبت رکھتے ہیں جسے حضرتؐ عَلَم دیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ اور رسولؐ کسی گناہ گار سے محبت نہیں رکھتے کیونکہ گناہ اللہ اور رسولؐ کی محبت کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ان کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ اور جب اللہ اور رسولؐ علی علیہ السلام سے علی الاطلاق محبت رکھتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ علی علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور

معصوم تھے۔

۵۔ حضورؐ نے فرمایا۔ علیؑ مع الحق والحق مع علیؑ لایفترقان۔ کہ علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ حضرت علیؑ کا یہ فرمان شاہد ہے کہ علی علیہ السلام اپنے ہر قول اور ہر فعل میں ہمیشہ حق پر ہوتے تھے اور جس کا ہر قول اور ہر فعل مبنی بر حق ہو وہی تو معصوم ہوتا ہے۔

۶۔ نیز حضورؐ نے فرمایا۔ علی مع القرآن والقرآن مع علیؑ لایفترقان۔ کہ علیؑ ہمیشہ قرآن کے ساتھ رہیں گے اور قرآن علیؑ کے ساتھ رہے گا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علیؑ کا ہر قول اور ہر فعل ہمیشہ قرآن کے مطابق تھا اور جس کا ہر قول و فعل قرآن کے مطابق ہو، وہی تو معصوم ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت رسولِ پاکؐ نے بروز غدیر خم علی علیہ السلام کے متعلق اپنے دعائیہ جملہ میں فرمایا۔ اَللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ کہ اے پروردگار تو اس شخص سے دوستی رکھو جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھو جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔

معلوم ہوا کہ علیؑ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو پھر اس گناہ میں علیؑ سے دوستی رکھنا جائز نہ ہوتا اور دشمنی کا رکھنا جائز ہوتا تو حضورِ پاک علی علیہ السلام کے حق میں مذکورہ فقرے ادا نہ کرتے اور جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے وُہی تو معصوم ہوتا ہے۔

۸۔ حضورؐ نے علیؑ سے خطاب کرکے فرمایا۔ اَلا ترضیٰ یا علیؑ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی۔ کہ اے علیؑ کیا آپ اس پر راضی نہیں ہیں؟ کہ آپ کی منزلت میرے ساتھ وہی ہے جو حضرت ھارون

کی حضرت موسیٰ سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ نبوت کے علاوہ حضرت علیؑ کے لیے رسول پاک کے ساتھ وہ تمام منازل حاصل تھے جو حضرت ھارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھے اور ان منازل میں سے ایک عصمت بھی تھی کیونکہ جس طرح حضرت موسیٰؑ معصوم تھے اسی طرح حضرت ہارونؑ بھی معصوم تھے۔ لہٰذا شانِ عصمت جس طرح رسولِ پاکؐ کو حاصل تھی۔ اُسی طرح حضرت علیؑ کو بھی حاصل تھی، اگر حضرت علیؑ کو عصمت کا شرف حاصل نہ ہوتا۔ تو حضورؐ عصمت کو بھی اسی طرح مُستثنیٰ کر دیتے جس طرح نبوت کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ مگر عصمت کو آپ نے مستثنیٰ نہیں کیا۔ اس لیے معلوم ہُوا کہ حضرت علیؑ کو بھی عصمت کا شرف اسی طرح حاصل تھا جس طرح رسول پاکؐ کو اور جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو۔

۹۔ حضورِ سرورِ کائنات نے ایک مرتبہ فرمایا۔ اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر فجاتہ علیؑ فاکل معہ۔ کہ اے پروردگار اس شخص کو بھیج جو تیری ساری مخلوق میں سے تیرا سب سے زیادہ محبوب ہو۔ کہ وہ آئے اور میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے "جو حضرتؐ کے پاس تحفہ آیا تھا"۔ چنانچہ علی علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ وہ پرندہ تناول فرمایا۔

حضرتؐ نے باحب صحابتی الیک۔ نہیں فرمایا۔ یا باحب اہل المدینۃ الیک نہیں فرمایا۔ کہ میرے صحابہ میں سے جو تیرے ہاں زیادہ محبوب ہے یا اہل المدینہ میں سے جو تیرے ہاں زیادہ محبوب ہے۔ اسے بھیج۔ بلکہ فرمایا باحب خلقک الیک۔ فرمایا کہ تیری ساری مخلوقات میں سے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، وہ بھیج۔ اور ظاہر ہے کہ ساری مخلوق میں انبیاء اور مرسلین بھی شامل ہیں۔ اس لئے حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ تمام سابقہ انبیاء اور مرسلین کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ

محبوب تھے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کا تمام سابقہ انبیاء و رُسل کی نسبت بلند تر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ آیتِ مبارکہ۔ اِن اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں جتنا کسی کا تقویٰ زیادہ اُتنی اُس کی اللہ کے ہاں عزت زیادہ ہوتی ہے اور اتنا ہی وہ اللہ کو پیارا بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ حضرت رسولِ پاکؐ نے ایک چادر کے نیچے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو داخل فرمایا اور اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ نیز جب کہ آیتِ مبارکہ ندع ابناءنا و ابنائکم الخ نازل ہوئی تو اس وقت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور پھر فرمایا۔ اللھم ھولاء اھل بیتی۔ کہ اے پروردگار یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ اور آیت تطہیر کا معنیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتِ رسولؐ یعنی علیؑ۔ فاطمہؑ، حسنؑ، اور حسینؑ کو گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہونے کا شرف بخشا اور انہیں شرف عصمت سے مشرف کیا۔

۱۱۔ حضرت سیدہ خاتون فاطمہ زہراؑ کے متعلق رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی۔ کہ فاطمہ زہراؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ زہراؑ کو ناراض کیا، اُس نے مجھے ناراض کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا ورنہ تو اس گناہ کے سلسلہ میں انہیں ناراض کرنا جائز ہوتا اور پھر رسولِ پاکؐ ان کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی قرار نہ دیتے۔ لہٰذا حضرت سیدہؑ خاتون گناہ سے پاک اور معصومہ بی بی تھیں۔

۱۲۔ حضرت رسولِ پاکؐ نے حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے حق میں فرمایا۔ انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم۔ کہ میری اس شخص سے

جنگ ہے جو ان نفوسِ مقدسہ سے جنگ کرے اور میری اس سے صلح ہے جو ان سے صلح کرے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص اِن ذواتِ قدسیہ سے جنگ کرے وہ ہمیشہ بر باطل ہوگا اور یہ ہمیشہ برحق ہوں گے اور ہمیشہ برحق ہونا ہی شانِ معصوم ہے۔

طوالت کے ڈر سے یہ سلسلہ آیات و احادیث مختصر کیا جاتا ہے ورنہ ابھی یہ سلسلہ بہت طویل ہے۔ جناب قریشی محمد انور صاحب نے ان تمام آیات و احادیث کی صراحتاً مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے کہا ہے کہ انبیاء و رسل کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں۔

غلط انداز میں مسئلہ تقیّہ و متعہ وغیرہ کے ذریعہ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی مذموم کوشش

قریشی صاحب موصوف نے اپنے اس پمفلٹ میں شیعہ کے خلاف منافرت پھیلانے کے لئے مسئلہ تقیّہ اور متعہ وغیرہ کو بھی چھیڑا ہے اور نازیبا الفاظ سے اُن کو تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ تقیّہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں تقیّہ کی تعلیم دی جاتی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا منافقت، جھوٹ اور فریب کاری ہوگی"۔ انتھی بقدر الحاجۃ۔

تقیّہ کو منافقت، جھوٹ اور فریب کاری سے تعبیر کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ تقیّہ کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن پاک منافقت، جھوٹ اور فریب کاری کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ بلکہ تقیہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ ظالموں سے جان، مال یا عزت کا خطرہ ہو اور انسان مضطر اور مجبور ہو کہ اگر تقیہ نہ کرے تو اس کی اپنی یا دیگر مومنین کی جانیں۔ عزتیں اور اموال ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔ اور اسے ایسا جھوٹ نہیں کہا جا سکتا ہے جو شرعاً ناجائز ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسا جھوٹ ہوتا ہے کہ

کہ اس میں دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے اور فرق ظاہر ہے کیونکہ جو جھوٹ کسی کو ضرر پہنچانے کے لئے بولا جاتا ہے عبث ہوتا ہے اور تقیہ کسی ظالم کے ضرر سے بچنے کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس منافقت اس کا نام ہے کہ دل میں کفر ہو اور اُسے چھپایا جائے، اسلام کو ظاہر کیا جائے۔ اور تقیہ کرنے والا مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کفر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے تقیہ میں ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے ایمان کو چھپایا جاتا ہے لہٰذا تقیہ اور منافقت میں فرق ظاہر ہے کیونکہ کفر کا چھپانا اور چیز ہے اور ایمان کا چھپانا اور۔ قریشی صاحب کو حقائق سے قطعاً واقفیت نہیں۔ ہم ان مطالب کی مؤید آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔

پ۳ آل عمران ۳ آیت نمبر ۲۸ ع۲۔ مومنین علاوہ مومنین کے کفار کو اپنا حاکم اور سرپرست اور دوست نہ بنائیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی لگاؤ نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ تم اُن کے شر اور ضرر سے بچنا چاہو تو پھر ایسا کر سکتے ہو۔

اس آیت میں۔ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔" کے الفاظ سے ہم کو اللہ تعالیٰ نے تقیہ کی اجازت فرمائی ہے کہ جب کفار سے خطرہ ہو کہ وہ مومنین کو جانی یا مالی یا عزت کا ضرر اور نقصان پہنچائیں گے تو پھر انسان ان کو اپنا حاکم بھی بنا سکتا ہے چہ جائیکہ زبانی دوستی وغیرہ کا اظہار کیا جائے اور اس طرح سے اپنی جان، مال اور عزت اُن کے ضرر سے بچائی جا سکتی ہے۔

اہلِ سنت محقق علماء نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس آیت سے تقیہ کا جواز ثابت ہے۔ چنانچہ دیکھو تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۲ ص ۱۳۶ ۔ تفسیر ابن جریر طبری ج-۳ ص ۱۴۰ تا ۱۴۲ تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان لنظام الدین حسن بن محمد النیشاپوری بہ تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۷۳، ۱۷۴ تفسیر تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۸۰، تفسیر کشاف ج ا ص ۱۸۳ تفسیر جامع البیان۔

بر حاشیہ تفسیر جلالین ص۴۷، صحیح بخاری۔ کتاب الاکراہ۔ وقال الا ان تتقوا منھم تقاۃ وھی التقیہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔ یہی تقیہ کا بیان ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔ قال الحسن۔ التقیۃ الی یوم القیمۃ۔ کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔

بخاری صاحب اور ان تمام اہل سنت مفسرین نے اس آیت کا یہی معنی تحریر کیا ہے کہ کفار کو اپنا دوست اور حاکم بنانا جائز نہیں۔ لیکن کفار کا غلبہ ہو اور ان سے جان، مال، عزت کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر فقط زبان سے ان کے ساتھ مدارات استعمال کرنا اور ان کی حکومت کو ظاہراً تقیہ کے طور پر تسلیم کرنا صحیح ہو جاتا ہے۔

اور یہ تقیہ عملاً دنیا بھر کے مسلمان کرتے رہے ہیں۔ اور کر رہے ہیں خواہ وہ اہلِ سُنت ہوں خواہ شیعہ۔ متحدہ ہندوستان پر سینکڑوں برس انگریز کی حکومت رہی۔ انگریز کافر تھے اور ہندوستان میں شیعہ سُنی ہر دو فرقے آباد تھے۔ اور دونوں نے اپنا حاکم انگریز کو تسلیم کیے رکھا کیونکہ اگر تسلیم نہ کرتے تو انگریز ان کو تہس نہس کر دیتے۔ اسی کا نام تقیہ ہے۔ بھارت میں اس وقت بھی کروڑوں مسلمان شیعہ سُنی آباد ہیں۔ اور وہ بھارت کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو حکومتِ بھارت ان کو ختم کر دیگی اور ان کے اموال وغیرہ اپنے قبضہ میں لے لے گی۔ اور یہی صورت حال روس، امریکہ، برطانیہ وغیرہ ممالک کفر میں بسنے والے تمام مسلمانوں کی ہے۔ لیکن ہمارے قریشی صاحب ہیں کہ تقیہ کو منافقت یا جھوٹ اور فریب کاری سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا وہ صراحتہً تسلیم کریں گے کہ بھارت۔ برطانیہ۔ امریکہ وغیرہ ممالکِ کفر میں بسنے والے تمام مسلمان منافق، جھوٹے اور فریب کار ہیں کیونکہ وہ تقیہ کر کے ان ممالک میں بستے ہیں اور تقیہ یہی ہے کہ انہوں نے ان کی حکومتوں کو تسلیم کیا ہوا ہے۔

آیت ۲۔ پ۱۴۔ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۶۔ ع۲۰

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدراً فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم ۔ جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر اختیار کرے سوائے اس شخص کے کہ جسے مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ لیکن جو کفر کے لئے اپنا سینہ کھول دے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس آیت میں ۔"الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔ کے الفاظ سے تقیہ کا جواز ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو اُسے کلمۂ کفر کہہ دینے یا کوئی کافرانہ فعل بجا لانے پر مجبور کیا جائے۔ تو وہ کلمۂ کفر یا عملِ کفر بجا لا سکتا ہے۔ دل میں جبکہ ایمان مستحکم ہو تو مجبور ہو کر کفر بجا لانا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور یہی تقیہ ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ دیکھو:۔

صحیح بخاری ۔کتاب الاکراہ ۔ باب ۔ قول الله تعالیٰ ۔ الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم ۔ وقال الا ان تتقوا منهم تقاة ۔ وهي تقية ۔ امام بخاری مذکورہ دونوں آیتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ یہ ہے تقیہ کا بیان۔

پھر تیسری آیت نقل کرتے ہیں۔ وقال ان الذين توفاهم الملئكة ظالمي انفسهم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين في الارض الى قوله واجعل لنا من لدنك سلطانا نصيرا پھر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مستضعفین کو معذور قرار دیا ہے کہ جو حکمِ خدا کو ترک کرنے سے رُک نہیں سکتے۔ اور مکرہ ہوتا ہی کمزور شخص ہے جو حکمِ خدا

کو بجالانے سے معذور ہو۔

امام بخاری اس کے بعد لکھتے ہیں۔ و قال الحسن التقیۃ الی یوم القیمہ کہ حسن نے کہا کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت۔" الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" حضرت عمار یاسر کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ مشرکین نے مکہ میں حضرت عمار کو اور اُن کی والدہ سمیہ اور اُن کے والد یاسر اور صہیب۔ بلال۔ حباب۔ اور سالم کو قید کر لیا۔ اور انہیں عذاب دینا شروع کر دیا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیہ کو تو مشرکین نے نہایت دردناک طریقہ سے قتل کر دیا اور اس کے خلاف بہتان طرازی بھی کی۔ اور حضرت عمار کے والد یاسر کو بھی قتل کر دیا۔ لیکن حضرت عمار نے مجبوراً وہ کچھ کہہ دیا جو مشرکین کہلانا چاہتے تھے مگر دل میں ان کا ایمان مستحکم تھا۔ حضرت رسول خدا تک خبر پہنچائی گئی کہ معاذ اللہ عمار کافر ہو گئے تو حضور نے فرمایا۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ عمار سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلوے تک ایمان سے پُر ہے۔ عمار کے گوشت اور خون میں ایمان مخلوط ہو چکا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمار روتے ہوئے حضرت رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت رسول اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگے اور فرمایا۔ ان عادو الک نعد لھم ماقلت۔ کہ عمار اگر وہ مشرکین تجھ سے پھر وہی کلمہ کفر کہلوانا چاہیں جو جو تو نے ان کے سامنے کہا تھا تو پھر بھی بے شک وہی کلمہ کہہ دیجئے۔ اس واقعہ میں آیت مبارکہ۔" الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" نازل ہوئی۔ درج ذیل تفاسیر اہل سنت میں ہم نے خود اس چیز کو دیکھا ہے۔

تفسیر غرائب القرآن رغائب الفرقان نیشاپوری ج ۱۴ ص ۱۱۸ برحاشیہ تفسیر ابن جریر نیز تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۴ ص ۱۱۳۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۵

ص ۲۵۱، ۲۵۲، تفسیر ابو السعود عمادی مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر کبیر رازی ج ۵، ص ۴۷۳
تفسیر مدارک التنزیل ج ۱، ص ۴۴۵، تفسیر الکشاف ج ۲، ص ۴۴۵۔ و تفسیر جامع
البیان مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر جلالین ص ۲۲۴ اور اس تفسیر میں تحریر ہے کہ بوقت اکراہ
کلمۂ کفر کے جواز پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

کس قدر مقام افسوس ہے کہ تقیہ کا جواز علماء اہلِ سنّت کے ہاں اجماعی مسئلہ
ہے لیکن ہمارے محترم قریشی صاحب شیعہ پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ گویا ان
کے ہاں تقیہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اگر قریشی صاحب موصوف نے اِن حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے یہ پمفلٹ سپردِ قلم
کیا تھا تو اب واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد امید ہے کہ وہ اپنے کئے پر ندامت
کے آنسو بہائیں گے اور توبہ کے ذریعے تلافی مافات کریں گے اور اگر دانستہ طور پر
انہوں نے پاکستان میں فساد کا بیج بونے کے لئے یہ حرکت کی ہے تو پھر
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُسے راہِ راست پر لوٹائے۔

آیت ۳ - پ ۲۴ - سورۂ المومنون ۴۰ - آیت ۲۸ ع ۹

وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانه أتقتلون رجلا
ان یقول ربی الله وقد جاءکم بالبینات من ربکم ۔ الخ۔

اور ایک شخص نے کہا کہ جو مومن تھا۔ آلِ فرعون سے تھا۔ اپنے ایمان کو چھپائے رکھتا
کہ کیا تم ایک شخص کو محض اِس وجہ سے قتل کرتے ہو کہ وہ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حالانکہ
وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لایا ہے۔

قریشی صاحب کے ہاں کتمان مذہب ناجائز ہے۔ مگر اس آیت میں حضرت حزقیل
مومن آلِ فرعون کے بوقت تقیہ کتمان ایمان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے فرمایا
ہے: مومن من آل فرعون یکتم ایمانه ۔ کہ اس مومن آلِ فرعون

نے کہا کہ جو اپنے ایمان کو چھپائے رکھتا تھا۔

معلوم ہوا کہ قریشی صاحب کا نظریہ قرآن پاک کے خلاف ہے۔ قرآنی تو کہتے

جبر و اکراہ اور مالی جانی نقصان کے خوف و خطر کے وقت اپنے ایمان کو چھپایا جا سکتا ہے

ہے کیونکہ یہ شخص اس وقت مضطر و مجبور ہوتا ہے۔

منصبر ملا آیات مومن آل فرعون حضرت حزقیل کی مدح میں ہے کہ انہوں نے

حضرت موسیٰ کے حق میں یہ الفاظ کہے تھے اتقتلون رجلا الآیہ کہ کیا تم

اے فرعونیو! ایک شخص کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا

رب اللہ ہے۔

اذ ارسلنا الیہم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث

فقالوا انا الیکم مرسلون۔ پ ۲۲ یسین ۳۶ آیت ۱۴ ع ۱۹

جب کہ ہم نے ان اہل انطاکیہ کی طرف دو شخص بھیجے اور انہوں نے ان دونوں کو

جھٹلا دیا تو ہم نے ان دونوں کو ایک تیسرے شخص کے ذریعہ غلبہ دیا پس انہوں نے

کہا کہ ہم بے شک تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس آیت میں لفظ "ثالث" سے مراد حضرت شمعون ہیں۔ حضرت عیسیٰ

نے اہل انطاکیہ کی طرف پہلے دو آدمیوں کو توحید کی دعوت دینے کے لئے بھیجا

تھا۔ وہ گئے۔ اہل انطاکیہ کو توحید کی دعوت دی اور معجزات دکھائے بعض لوگ

حضرت حبیب جیسے ایمان لے آئے۔ بادشاہ تک خبر پہنچی بادشاہ نے ان دونوں

کو قید کر دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ نے حضرت شمعون کو ان کی تائید کے لئے بھیجا۔ حضرت

شمعون بھیس بدل کر انطاکیہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں میں گھل مل کر رہنے لگے اور

رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر سے بادشاہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اور بادشاہ کے مقرب

بن گئے۔ وہ ان کے ساتھ ان کے عبادت خانے میں جاتے۔ ان کے بتوں کے

ضمناً اُن کے ساتھ مل کر نماز بھی پڑھتے، سجدے کرتے اور وہ لوگ یہ خیال کرتے
کہ یہ بھی ان ہی میں سے ہی ہیں۔

جب حضرت شمعون نے بادشاہ کے ساتھ خاصا رسوخ اور تقرب پیدا کر لیا تو ایک
دن موقع پاکر بادشاہ سے ان دو قیدیوں کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ کے فرستادہ
تھے۔ بادشاہ سے کہا کہ یہ کیسے قیدی ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ یہ ایک نیا دین لے
کر آئے تھے اس لیے ہم نے انہیں قید کر دیا۔ حضرت شمعون نے کہا کہ کیا ان کے
پاس کوئی دلیل بھی تھی؟ بادشاہ نے کہا۔ ہاں یہ کہتے ہیں کہ مردہ زندہ کر دیتے ہیں،
نابینا کو بینا کر دیتے ہیں، مریض کو شفا دے سکتے ہیں۔

حضرت شمعون نے کہا یہ تو بہت بڑا دعویٰ ہے ہمیں اس کی آزمائش چاہیئے
بادشاہ راضی ہو گیا۔ اُن دونوں کو قید خانے سے بلایا گیا۔ اور سوال کیا گیا کہ کیا واقعاً
مردہ زندہ کر سکتے ہو؟ اور نابینا کو بینائی اور مریض کو شفا دے سکتے ہو؟ انہوں
نے کہا ہاں۔ چنانچہ انہوں نے اس مطالبہ پر یہ معجزات دکھا دیئے۔ تو حضرت شمعون
نے بادشاہ سے کہا کہ تم بھی اپنے بتوں سے کہو کہ وہ بھی ایسا کر دکھائیں۔ تو بادشاہ
نے کہا کہ وہ تو کچھ کر نہیں سکتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ
نقصان۔ تو اس پر حضرت شمعون نے کہا کہ پھر تو ان قیدیوں کا دین سچا ہے۔ چنانچہ
بادشاہ بھی ایمان لے آیا اور بہت سے دیگر لوگ بھی ایمان لے آئے۔ اور وہ دونوں
بے گناہ قیدی آزاد ہو گئے۔

اس واقعہ کو درج ذیل تفسیروں میں مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔
تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۶ ص ۳۰۰ ، تفسیر ابو السعود عمادی برحاشیہ تفسیر کبیر رازی
ج ۷ ص ۱۳۳ ، تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان نیشاپوری ج ۲۳ ص ۱۰ ،
اس تفسیر میں اور تفسیر ابو السعود عمادی دونوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت

شمعون اہل انطاکیہ کے ساتھ اُن کے بُت خانہ میں جاتے تھے۔ بُت کے سامنے نمازیں پڑھتے اور تضرع اور زاری کرتے تھے۔ نیز تفسیر کشاف ج ۳ صـ ۲۸۲ میں بھی یہی تصریح موجود ہے، تفسیر مدارک التنزیل ج ۲، صـ ۱۶۰

سورۂ یٰسین کے اس واقعہ سے واضح ہو گیا کہ تقیہ بعض اوقات دیگر مومنین کو ظالموں سے چھڑانے کے لئے بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ سے علم کے دو ظرف حفظ کیے تھے۔ ایک تو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا۔ لیکن اگر دوسرے کو پھیلاؤں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ نے تقیہ کی وجہ سے تعلیماتِ اسلام کے ایک حصہ کی تبلیغ نہ کی۔ صحیح بخاری، ج ۱ صـ ۲۴، باب حفظ العلم۔

عبداللہ بن عمر نے بی بی عائشہ زوجۂ رسول پاکؐ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے بی بی عائشہ سے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تیری قوم نے کعبہ شریف کو بنایا لیکن اس کی بُنیادیں ان بُنیادوں سے کوتاہ اور چھوٹی کر دیں جو بنیادیں حضرت ابراہیم نے رکھی تھیں تو بی بی عائشہ نے عرض کیا کہ آپ کعبہ کو ان بُنیادوں پر کیوں نہیں تعمیر کرا دیتے جن پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تیری قوم اگر تازہ کفر کو چھوڑے ہوئے نہ ہوتی تو میں ایسا کر دیتا۔ مقصد یہ کہ قریش چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں کفر چھوڑے ہوئے ان کو کوئی عرصہ نہیں گذرا۔ ابھی جاہلیت کے تاثرات ان میں باقی ہیں اس لیے خدشہ ہے کہ اگر کعبہ کو گرایا جائے تو وہ برداشت نہیں کریں گے اور اعتراض کر کے اسلام سے ہی برگشتہ ہو جائیں گے اور کوئی فساد برپا کر دیں گے۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر حضورؐ نے بیت اللہ کو ویسے ہی رہنے دیا اور ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر نہ کرایا۔ یہ تھا حضورؐ کا عملی تقیہ جس کے باعث انہوں نے کعبہ شریف کی عمارت کو درست نہ کیا۔ صحیح بخاری ج ۳ صـ ۶۶ باب واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔

تقیہ کے باعث ہی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق کہا تھا کہ ھی اختی۔ کہ یہ میری بہن ہے یعنی میری دین کی بہن ہے اور تقیہ میں ایسا توریہ تا حدامکان ضروری ہوتا ہے۔ دیکھو تفسیر غرائب القرآن ج ۱۷ ص ۳۳

جوازِ تقیہ کے دلائل اس سے زیادہ ہیں کہ انہیں اس وقت احصاء کیا جا سکے بہرحال یہ شیعہ سُنی علماء فریقین کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے کہ جب ظالمین کی جانب سے جان، مال، عزت ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہو اور اس کے باعث انسان مجبور اور مضطر ہو جائے تو اس وقت تقیہ پر عمل کرنا صحیح ہوتا ہے۔

"قریشی صاحب نے تقیہ کے متعلق جو روایتیں کافی شریف سے نقل کی ہیں اور ان میں سے روایت ۶ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے۔ کہ تقیہ ہر ضرورت میں کیا جائے اور صاحبِ معاملہ ہی اپنی ضرورت کے متعلق زیادہ جانتا ہے۔ انتھیٰ۔

قریشی صاحب نے امام عالی مقام کے کلام کو نہیں سمجھا کیونکہ امام علیہ السلام نے ضرورت سے مراد اضطرار کی صورت مراد لی ہے کیونکہ اضطرار اور ضرورۃ دونوں کا مادہ ایک ہے۔ قریشی صاحب نے ضرورۃ کا معنی کسی قسم کا احتیاج لیا ہے جو کہ درست نہیں بلکہ اضطرار کی حالت ضروری ہے اور حالتِ اضطرار میں حرام بھی خود اللہ کی جانب سے حلال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قدرت نے فرمایا:۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔ کہ جو شخص مجبور کر دیا گیا ہو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ از خود بغاوت کرنے والا اور ظلم و تعدی کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو۔ نیز یہ کہ تقیہ اس وقت جائز نہیں ہوتا جبکہ تقیہ کے باعث کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچ سکتا ہو۔ لہذا قریشی صاحب نے قانونِ شہادت کا جو تذکرہ کیا ہے۔ وہ بے محل اور بے جا ہے۔ بنا بریں کوئی دانش مند تقیہ کو جھوٹ، فریب سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تقیہ وہ دانشمندانہ عقلائی حق

ہے جو ایک مضطر، مجبور اور معذور شخص کو حاصل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس کے جواز پر زور دیا گیا ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ قریشی صاحب کو قرآن وسنّت کی خلاف ورزی کی پرواہ نہیں۔ ان کو تو پاکستان میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لئے کوئی بہانہ درکار ہے۔

متّعہ زنا نہیں نکاح ہے

قریشی صاحب نے فرقہ وارانہ انتشار پھیلانے کے لئے نکاح متعہ کو بھی آلۂ کار بناتے ہوئے متعہ کو زنا قرار دیا ہے اور پھر زنا کی مذمت میں جو احادیث وغیرہ وارد ہوئی ہیں، ان کو متعہ پر چسپاں کیا ہے۔ حالانکہ متعہ زنا نہیں بلکہ وہ شرعاً نکاح کی ایک قسم ہے۔

نکاح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نکاح دائم۔ دوسرے نکاح منقطع یعنی متعہ نکاح دائم وہ نکاح جو عام مروّج ہے، اس میں ایجاب وقبول ہوتا ہے، مہر مقرر ہوتا ہے لیکن جب تک مرد طلاق نہ دے اُس وقت تک مرد کی زندگی میں یہ نکاح باقی رہتا ہے اور جب مرد طلاق دے دے تو یہ نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے اور طلاق دینے میں مرد کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ خواہ آج نکاح کرے اور کل طلاق دے دے یا صبح نکاح کرے اور شام کو طلاق دے دے۔ خواہ نکاح کے ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم وقت گزرنے کے بعد طلاق دے دے۔ بہرحال مرد طلاق دینے میں مکمل آزاد ہوتا ہے۔ اور اس پر کوئی پابندی نہیں۔

نکاحِ منقطع یا متعہ میں بھی ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ حق مہر کی رقم مثلِ نکاح دائم کے بھی ہوتی ہے لیکن اِس نکاح کو ختم کرنے کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اِس نکاح میں پہلے مدت نکاح طے ہو جاتی ہے اور اس مدّت کے

بعد نکاح مذکور خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں قسمیں نکاح کی شرعی ہیں۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی قسم میں مدت نکاح کا تعین نہیں ہوتا۔ اس کے ختم کرنے کے لئے طلاق دینا پڑتی ہے اور دوسری قسم میں مدت بوقت نکاح متعین ہو جاتی ہے۔ اسے ختم کرنے کے لئے طلاق کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ بیوی کو بوقتِ نکاح ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نکاح کی پابندی میرے لیے اتنے عرصہ تک لازم ہے جب کہ نکاح دائم میں عورت گویا اندھیرے میں ہوتی ہے۔ اسے نہیں پتہ ہوتا کہ شوہر اُسے کس وقت طلاق دے کر آزاد کر دے گا۔

یہ دونوں قسم کے نکاح شریعتِ آنحضرتؐ میں صحیح اور جائز تھے۔ اور جائز ہیں ان میں سے کسی قسم کو زنا کہنا حضورؐ کی شریعت پر اعتراض ہے۔ اگر کچھ اختلاف ہے تو یہ ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں نکاحِ متعہ پہلے شریعتِ اسلامی میں جائز تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ اور شیعہ کہتے ہیں منسوخ نہیں ہوا۔ اس لیے جس طرح متعہ حضورؐ کی زندگی میں حلال اور جائز تھا۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد تا قیامِ قیامت حلال اور جائز ہے۔

لہٰذا متعہ کو زنا کہہ کر اس کے خلاف خامہ فرسائی کرنا نہایت شرانگیزی ہے۔ اگر قریشی صاحب کو یہ ادعا تھا کہ متعہ منسوخ ہو چکا تو پھر انہیں فسخ متعہ کے دلائل پیش کرنے تھے نہ یہ کہ متعہ کو زنا کہہ کر متعہ کی مذمت کرنا شروع کر دیں۔

ہم متعہ کے متعلق زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔ صرف اُن سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ کیا متعہ رسول اللہ کے زمانہ میں جائز اور مروّج تھا یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ جائز نہیں تھا یعنی آنحضرتؐ کے زمانہ میں کسی وقت بھی متعہ کو جائز نہیں سمجھا گیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ فریقین کی کتابیں اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں

کہ متعہ رسول اللہ کے زمانہ میں جائز تھا۔ صحابہ متعہ پر عمل کرتے رہے، تو پھر قریشی صاحب متعہ کو کس طرح زنا کہتے ہیں، کیا صحابۂ رسولؐ متعہ کر کے معاذ اللہ زنا کرتے تھے۔ رسولؐ اللہ نے العیاذ باللہ اُن کو زنا کی اجازت دے رکھی تھی؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

اور جب رسول اللہ کے زمانہ میں متعہ جائز تھا تو پھر قریشی صاحب کیا اس کے منسوخ ہوجانے کے دعویدار ہیں؟ تو پھر وہ بتائیں کہ متعہ کی ناسخ آیا کوئی آیت نازل ہوئی یا رسول اللہ نے اِسے منسوخ کیا یا رسول اللہ نے نہیں بلکہ حضور کی وفات کے بعد اسے بند کرایا گیا۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ متعہ کے منسوخ ہونے کو کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہیں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ متعہ کو زنا کہیں۔

زنا بے شک بُری خصلت ہے لیکن شرعی نکاح تو بُرائی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب تک قریشی صاحب قرآن کریم، رسول اور اہل بیت رسولؐ کے ارشادات کے مطابق متعہ کے فسخ کو ثابت نہ کریں، اُس وقت تک اُن کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی کہ وہ حضورؐ کی شریعت کے کسی حلال کو حرام کہیں۔

لاریب کہ حلال محمدؐ حلال الیٰ یوم القیمۃ وحرام محمد حرام الیٰ یوم القیٰمۃ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین و لعنۃ اللہ علیٰ اعدائھم الیٰ یوم الدین۔